

# نہ دِل کو راہ پر لائے

کنیز نبوی

# عکسِ اولاد

اس نے دھندلائی نظروں سے دور ہوتی عنیدہ  
عارف کو دیکھا جو اسے ناکروہ گناہ کی سزا سنائی تھی۔  
سیف مصطفیٰ نے آنکھیں موند کر نمی کو اندر  
دھکیلا اور لب بھجج کر بائبل سے باہر نکل آیا۔  
واپسی کا سفر ہمیشہ تھکا دینے والا ہوتا تھا مگر اک

اس نے تو اب تنہا کی زندگی میں محبت کو ہمیشہ  
میراں ہی دیکھا تھا مگر اس لمحے جب زندگی کی بساط پر  
محبت کے مسوں نے جھرجھرائی اور وہ چھوڑے کی چال  
چلی تو اسے پہلی بار چکا چلا کہ محبت ظالم بھی ہو سکتی  
ہے۔

## ناولٹ





مرثیہ بھی ہوتی ہو اس کے رگ و پے میں دوڑتی  
 رات کو مرنے والی کا سفر خفا کر دینے والا تھا کہ ہجر  
 ہمارے نہیں ہوتا ان کے چہ ابرو ادا کرنے کی تیاری  
 ہوتے ہوئے تھے۔  
 سیف مصطفیٰ نے بیٹ کی طرف گاڑی میں بیٹھ  
 سے ملے مرثیہ کو اور دیکھا جہاں آگے جو دانی دھڑک رہی  
 ادائی مسکراہٹ سے بے خوف موجود ہوتا۔ مگر ان کے توجہ  
 ہوا تھا کہ ان آنکھوں میں لمن کی آہیں لے کر مسکراتے  
 ہوئے ہونٹ وہ خوب صورت وجود کبھی بھی نہیں  
 قلم اسے نہایت پرہیزگار نظر آیا اور ایک دھندلا سا  
 سلیب نہیں لہرے ہوا اسے بھی مل سکتا ہے اور سایہ چہرا  
 پر چھو سکتا ہے اس نے گاڑی اشارت کی۔ اس کی  
 آنکھوں میں چٹکی کی لب گالوں پر چہرہ ہی تھی۔

اور جب اس نے بیٹ کی طرف مڑ کر دیکھا تو اس  
 سے عزیز عارف کا دل چاہا۔ وہ سامنے آ کر اسے چلا کر  
 رک جانے کو کہے اور ڈراگت مدام میں اس کے  
 سامنے بیٹھ کر خود سے کیا ہوا اقرار دہرا دے۔  
 "سیف مصطفیٰ لانا کہ تم اس معاشرے کے مرد ہو  
 عمر میں عورت کی انفرادی وارث تمہارے بغیر نہیں  
 رہ سکتی کہ عورت کی کیا کنویری ہے۔ وہ چاہتی نہیں  
 پوجتی ہے اس کا محبوب عام سا مرد ہو کر بھی اس کے  
 لیے دیوتا کا درجہ رکھتا ہے اور یہی لغزش خیال اس کو  
 کہیں کا نہیں چھوڑتی۔"

مگر اس سے پہلے کہ وہ سیف مصطفیٰ کو ہلاتی اس کی  
 آنکھوں میں کی مین پڑی اور اس کی آنکھوں کے سامنے  
 دھند چھا گئی۔ نکل پر پڑے چہل چوڑے چمکے تھے۔  
 ساتھ کے درجہ کی طرف آنسو اس کے رخساروں پر  
 سے تو بھرے چھلکا چھلکا ہوئی ڈانری کے پھر پھرتے  
 ورق ہارے منظر واضح ہونے لگے۔  
 "سیف مصطفیٰ کو بھول گئی۔ اپنی محبت کی تپسیا کو

بھول گئی۔ بھول گئی یہ بات بھی کہ وہ محبت کی تپسماں  
 تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے سما کر چہرے کی ابرو  
 کھلی آنکھیں پھینکے ہوئے ہونٹ اور ابرو ہوا ہر ہر  
 شے چادر میں بھی لٹکیاں تھیں۔  
 اس کی سسکیاں آہستہ آہستہ بلند ہوتی گئیں۔  
 "وہیں نہیں سیف۔" مطلقاً اس تحریر اٹھ کر نہیں کر  
 سکتی تم ہی تو اس معاشرے کے مرد ہو تمہارا اندر کا  
 مجھے کیا پتا۔ محبت کے پتے آنکھوں میں چھانے والی  
 بھولی بھالی لڑکیاں کیا جانیں شکاریوں کی نیت کا تو یہ  
 ہمارا ہی ہے۔ غلطی ہی تو ہمیں کھانا پاتی ہے۔" اس نے  
 اضطراب سے سر کیسے پر پٹا اس کی آنکھوں میں ماضی کا  
 ایک ایک ٹکس روشن تھا۔

وہ دن بڑا خوشگوار تھا جب وہ لالہ جان اور بابا جان  
 کی نو افلاک پر ال ایملی جاہم ٹھونڈ میں دخل دے کے  
 آئی تھی۔ حیدر آباد سے والوں کا دل چاہی تو لالہ جان  
 خبر سے ہی نہال ہو گئیں کہ اس کی بیٹی کو صیفیہ نکل میں  
 داخل مل گیا ہے۔ وہ اسے خوشی سے چومتی اور بات  
 بے بات مسکراتیں تو ریمیں عارف نگاہ لانی دیکھتے سے  
 مسکرا دیے تب حیدر عارف کو وہاں ہاتھ مڑ کر رکھا  
 باپ کو شرارت سے دیکھتی اس سے پہلے کہ وہ بیٹھ کی  
 طرح آتی۔

"بابا جان مکمل کر بیٹھیں۔" ریمیں عارف تعجب لگا کر  
 ہنس پڑے جیسے شرارت کرتے پکڑے گئے ہوں۔  
 اور اس نے بیٹھ کی طرح بیٹھتے ہوئے باپ کے گلے  
 میں بائیں والی دیر۔

"بابا! آپ ایسا کی بات کیا کر رہے ہیں چکے چکے مسکراتے  
 ہیں بہت اچھی لگتی ہیں نا لالہ جان آپ کو؟"  
 "ظاہر ہے عمر گزار دی ہے اس کے ساتھ۔" ریمیں  
 عارف نگاہ لانی کے لبوں پر مسکراہٹ اور گہری ہوجائی۔  
 "بہت چاہا ہے نا آپ نے لالہ جان کہ وہ بابا جان  
 نے شرارت سے آنکھیں پھیلانیں۔"

ایڈی ویڈی گئی گئی ہے پر پوچھیں چوٹی پر ہندی  
 اسے اصل ڈھکی جو ڈھکی۔ "اسی بڑی ہو گئی ہے۔"  
 باپ کے ساتھ چٹنی رہتی ہے۔ اصل گائے کی گائے  
 مائے بیٹی کی باتوں پر جڑ پڑھ کر بیٹھیں۔  
 "بابا! دیکھیں لالہ جان میںوں کیا کہندی ہے اے۔"  
 اس نے منہ پور کر کہا تو ریمیں نے ہنس کر گات اپنے  
 ہاتھ لگایا۔

"آپ کی یہ جانب داری مجھے ایک آنکھ نہیں  
 بھاتی۔" مائے نے بکڑ کر کہا۔  
 "تمہاری ماں سے اختلاف نہیں کر سکتا۔" بابا نے  
 بائیں ہاتھ کی شصت کی انگلی اپنے دل پر رکھی۔  
 "بابا! لالہ جان آپ کی بیٹی اور ریمیں اور آپ کے ہی گھر  
 رہتی ہیں دادا نے ہی پردہ ریش کی بھر آپ دونوں کے  
 بچہ کو کوئی عالم سماج نہیں ٹھکانا؟" اس نے چپکے سے باپ  
 کے کھن میں کہا تو ریمیں عارف ہنس کر دھیرے سے  
 بولے۔

"ہنس پڑنا انصیب سے ڈر لگتا تھا۔"  
 "سوئی پچ کیا کھس پر کر ہندی ہے پچ ہے کن  
 ہن۔" (سوئی یہ کیا کھس پر کر رہی ہو باپ کے کان  
 میں۔) ماں نے کہا تو اس کے بھائی نے بھی پیچھا۔  
 "لیکن سوئی کیا کہندی ہے نا ہے نہ۔"  
 "کوئی فیروز خان! میڈی دسی کو تو کچھ نہ کہہ۔ نت  
 میں تھپا اور نا پانی بند کر چھوڑ سلاں۔" ریمیں عارف نے  
 بیٹے ہوئے بیٹے کو دھڑکایا۔

"بابا! اوس تو کہہ ایساں دے سامھوں۔ اے پھلے  
 انا عمر پڑھ گئی ہے۔" (بابا جان تو نہ کہیں اس کے  
 ملے سے تو پہلے ہی سر پڑھ گئی ہے۔)

"میڈی خواہش تو بیٹی نے پوری کیٹی لے تا فیروز!"  
 "میڈیٹ بھی ایڈی تو نہیں بیا سنا لالہ جان! اے اے  
 کئی فضا کا کام ہے۔" (میرا بیٹا کئی اتنی زمینیں سبھا  
 ہے یہ کوئی چھوٹا کام ہے) اس کی ماں نے جلدی سے  
 فرمایا۔  
 "دیکھیں بابا! ماں کو تو ہر صورت بھائی ہی اچھا لگتا

ہے۔" اس نے شصت کی تو وہ ہنس پڑے۔  
 "مصطفیٰ ماں کے معاملے میں میں  
 سکتا۔ میڈی بھوری ہے نا!" ریمیں بول

وہ بابا نے کہنے پر کھٹکھٹا کر ہنس۔  
 "مالی! مائے! کھکوں مبارک! وہ تو مصطفیٰ دسی کو  
 میڈی بکڑی روک ڈال رہی ہے۔" "کوئی مجھے بھی خبر سن  
 کر آگئی تھی۔"  
 "بابا! اوس! مائے! مائے! مبارک! وہ ہنس کر اس  
 کے گلے لگیں۔

"کوئی بھائی بھائی کر۔" ریمیں۔ "ریمیں عارف نے  
 اٹھ کر اس کے چہرے ہاتھ رکھا۔  
 "اوا بھائی مگر آج میں بھی مصطفیٰ کھا کر جاؤں  
 گی۔"

"بابا! اوی! اویوں نہیں۔" اویوں مٹھائیاں۔ میں ابھی  
 فیروز کو مائے کی بھتیجا ہوں مصطفیٰ لیتے مٹھائی آج ہمارے  
 ہاں صرف مصطفیٰ نہیں رہی ابھی کھا کر بابا! مائے! اوی  
 کی پسند کی چیزیں فیروز کو لگتا وہ لے آئے۔  
 "مالی مائے! اوی! کچھ کن تو اوا عارف بڑا خوش ہے۔"  
 ناہید ہنس۔

"اوی! اوی! تو میرے بیٹے ہیں ان کی خوشیوں میں  
 خوش نہیں ہوں گا تو پھر کن کی خوشیوں میں خوش ہوں  
 گے۔"

"ہا اوا! تو ہی تو میرے بھائی ہو پھر تمہاری لولاویں  
 بھی دو اور وہ جو کیا تو پھر لوٹ کر تیا اس کا بھی ایک  
 دانہ ہے۔ اتھ اسے لمبی عمر دے۔ بابا کے تو وہی پوتے  
 ہوئے نا۔" ناہید نے گہری سانس لی۔

اس نے دیکھا۔ بابا ایک دم چپ سے ہو گئے اور  
 لالہ جان کے ہانسنے سے اٹھ گئی تھیں۔

اور: بابا! اے اک! اے اے! اے اے! میں  
 پھوڑنے آئے۔ اس نے نعت لے کر کے پوچھ دی لالہ۔  
 "بابا! اس شہر میں چاہا بھی تو رہتے ہیں۔ آپ اگر  
 "سرے پاسٹل سے مسکرت نہیں تھے تو مجھے وہاں بھی  
 چھوڑ سکتے تھے۔"







وقت اور کئی قصیدے

پارہ صفت اور یہ مستحق قرار دو طبعاً جس کلمہ کے  
ملنے والی یہ مجیدہ مزاج تھا کہ وہ اپنے والد اس فرق کے  
پہلو دو نوں میں دوٹی ہو گئی۔ صائمہ الشرا سے  
پہچرتی۔

”شنا ہے نظمانوں میں وفا کم کیا جاتی ہے۔“  
 ”خاطرِ شنا ہے تم نے۔ آنا کر تو دیکھو۔“ وہ فوراً  
 ترویج کرتی۔

”یعنی آواز کے لیے مجھے کسی نظامی سے مل گیا  
 ہے۔“ وہ صوفے سے اُٹھ کر شرارتاً

”کسی اور سے نہیں بچھوے۔“ وہ فیس کر اس کے  
ہینڈ بگ آگئی۔  
”کیا خاک مڑا آئے گا۔“ وہ اراہار آئے۔

پھر اچانک صائمہ جیہیں اپنی شامیں یا ہرگز مارنے لگی۔ شروع شروع میں تو اس نے قہر سے

شوقین تھی۔ مگر جب وہ کلن سے آرٹھم کو تسکین  
 پا کر جانے لگی تو اس کا ہاتھ ٹھیکہ چک رہا تھا۔

معلومات میں مداخلت کرنا اس کی عادت نہیں تھی اس لیے کبھی اس نے سائنس سے پوچھا نہیں تھا اس نے دیکھا تھا کہ سائنس کا دنیا کا سب سے بڑا

نہیں رو مٹی تھی۔ وہ اکثر کتاب کھولے سوچ میں  
ہوتی۔

یہ پڑھائی اور دیکھی ہے اور اس کی ساری باتیں  
 بوجھ کر ڈرنے کی ایک سنگ کرتے ہوئے اس طرح جانچے  
 کہ اس کے سامنے کھلی ہوئی کتاب زمین پر جا کر آ

اور وہ اس کی انجواب ایٹھتھ پر ہنس پڑی۔  
 ”میں سوچ رہی تھی کہ اندر سے انسان  
 بد صورت ہے۔ نیلا، پیلا، لال، مہر رنگ، دیشے

ہڈیاں گوشت۔ لونہوں سوچوں تو مٹی ہوتے  
ہے۔ "وہ ہڈی معصومیت سے منہ بنا کر کہتی تو وہ  
مارا فشر ہڈیاں۔

”کافکار ہو تم بولے کتنی عجیب اللہ مائیں

چونکہ کی جانب ان کا شوق قہری ضرورت بن گئی تھی کہ وہ ان کا حصہ انہیں مل گیا تو پھر ضرورت مند ہی تھی لیکن وہ جانب کرتے رہے البتہ ان کا جہاد بھی

خان محمد علی چانیداو کے سارے معاملات وہ سنبھال لیا۔ انہیں تو کھرچنے پر قلم چل جاتی تھی۔ سیف کے بعد ان کے آگن میں کوئی اور چھل نہیں کھلا۔ سو ان کی

وہ ہریات سے واقف رہنے کی کوشش کرتے جب  
اپنے شوق سے میٹیکل میں کیا تو زیادہ مصروف ہو

”بیبا! دوستوں کے ساتھ اسٹری کرنے جانا  
 کرتے تو وہیں کر لیتا۔“

مریم بگزتمیں "نہ ان لڑکا ہے" چھوڑیں۔ کیوں اتنی  
بہرہ کچھ کرتے ہیں۔ اس دور میں تو اتنا بڑھ چکا ہے کہ

کے لیے نہیں کرتے، آپ بیٹے کا ناک میں دم کر رہے ہیں۔"

نے کی: جب لڑکوں کی ہر خواہش پوری ہو رہی ہو تو کچھ ایسی خواہشیں پال لیتے ہیں جو جان کا روگ بن

وہ اچانک چونک کر ماضی کی غلیوں سے باہر آگئے  
 ف نے کچھ کہا تھا۔ انھوں نے قریب ہو کر سننے کی

"تم۔۔ میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتیں۔"

نہ رہا تھا وہ اسے سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔ ”کیا  
 آپ کسی کو پسند کرنے لگا تھا۔ مگر مجھے اس بات کا علم

• • •

۱۔ چاند دلوں میں بھی صاف نہیں ہے اس کی

اور وہ جتنے دن ریڑیوں۔ سامں بسو کی ٹوب کی۔ مہم  
ہوے شوق سے ان سے گفتگوں کی باتیں پوچھتی۔  
اور پھر وہ کہیں تو ایسی کہ وہاں لوٹ کر نہیں  
آئیں۔ انہوں نے کئی بار ڈرائیو کو ایسا حکم دیا  
کہ میں تمہیں کی کی دن۔ "مگر اوروں نے۔"

پہلے نہیں اور انہیں بتایا بھی نہیں کیا۔ گاؤں کا نام  
مست سب سے پہلے کر انہیں بتا گیا۔ وہ روتے  
رہے گاؤں پہنچے تو رات نہ اچھڑتا تھا۔ وہ گاؤں پہنچے

وہ کے قبضہ میں آئے تو وہاں اعلیٰ جہازوں پر تھی۔ انھوں نے انھوں سے تھیں کہ پھوٹے ہوئے وہاں میں حرکت کی ہو رہی ہے۔ وہ نے انتہائی سرعت کے ساتھ

تو ان کے دن بھی علی نے مجھے نہیں پایا۔  
میں ابھی اس گاؤں میں آؤں کر تو میرا گھر

نہ ہے بلکہ آپ نے مجھ سے تعلق تو قائم کر لیا۔  
 "ہر تعلق تو کر رہا ہوں۔"

میں نے چاہا کہ میں نے اپنے لیے ایک نیا راستہ بنایا۔

چلا کہ ان کے باپ نے ان کی ماں کو چھیننے کے  
لیے ان سے کہا تھا کہ "موتو غلام مصطفیٰ سے ملنا یہ جو امیر

اور وہ ایسی جھلی مانس کہ اس ایک بات کو لے کر بیچ

اور جب چند سال بعد جب وہ بیمار ہو کر اسپتال میں  
لے گئے تو وہ انہیں دیکھنے جاتے اور روزانہ گھر سے

میں دیتے ہوئے آپریٹر ہو جاتے مگر جب اسپتال میں ہی ان کا انتقال ہو گیا تو وہیں سے چلے گئے۔

نے بھی ماں باپ کے بعد چٹاؤں میں اب ان کا رکھائی  
تھا۔ سوائے ایک بھائی کے جس کی وجہ سے وہ

ان کی ساری خوشیاں اب مریم اور یوسف کے لیے

[illegible]

پڑھو گے اور یہ یاد رکھو گے کہ یہ سب کچھ  
میرے لئے ہے۔

اور پھر وہ ان کی مٹی میں ڈال دی۔

بہشتیہ کو جسے پاتا تھا کہ میرے پس منظر کو انہوں نے

وہی ہے۔  
 اس کے بعد اعلان بھی ہوئی کہ چھ لاکھ نو تھیں  
 کے لئے ہوئی ہے۔

میں تیری دعاؤں کے لئے رات بھی جگتی ہوں، دو تیرا  
خداوند ہے میں، اب خدا کا چہرہ ہے تجلی کر باپ

کوئلے" "میں آپ کے کہنے پر بہادر میں جاتا ہوں مگر ہر  
"میں کہنے پر امیر الہی بیٹا ہے ہو میرے ساتھ

ہوتا ہے۔ تم سے ہمیں کب کا نام توڑ چکا اب آپ  
 ہمیں بھی کیا کرے۔"

مہمان باہر جانور اگر گاڑی میں بیٹھ گئی۔ تبہ بے باب کو

میں نے صاف کہا اب اس نے مجھے صرے کیوں دی  
وہ کہے تو بھی میرے غلام مصطفیٰ کا گھر ہے۔ وہ وقت  
میں کی روٹی ضرور کھلانے کا وہ مجھے یہی اب تمہیں رکوں

کی۔ شکریہ تو نے گاڑی بھی بھیجی تھی۔" وہ مسرت سے بولیں۔

حکومت ہے گی۔ "وہاں کی باتیں وہاں کے تھے۔"







روایت: ابو نعیم سے روایت ہے کہ ان سے ساری کتب

[illegible]

اس بات سے کہ وہ سارے کو جمع کر لی تھی۔ نہ جانے  
کونسا وہ تھا جس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کے لاکھ بھائی  
ہوئے۔ مگر جیت کے لئے کسی کی ایکسٹریما۔ اس نے  
جیت لیا۔ اور کچھ گولیوں کے ساتھ اس سے بھاگ  
نے میں اس کے پیچھے بھاگی ہے۔ ظفر کو قید کر کے دی  
پھرنی ہے۔  
اس کے لاکھ بھائی اور شاید وہ تو کو سمجھانے  
میں کامیاب بھی ہو جائیگا اگر سیف مصطفیٰ بھی اس کا  
بھائی ہو جائے اور ساتھ اس کی بیوی جو نکاح کر رہی ہے۔  
تصنیع کوئی نرم نہیں ہے۔ یہاں تک کہ وہ تم یوں  
کر میں کی طرح سر ہوا کے ذریعہ برقی ہو کر نظر آئے  
پرست سے باہر۔ اور نکلے دنیا کو فیس کرو کہ حیرت عم  
میان ہوئی ہے۔

اس کی ان باتوں کے بارے میں غور و خفا اس دن  
کو کہتی تھیں۔ ہر ایک کے پاس وہ کتاب تھی اور پھر سیف  
مصطفیٰ کی گاڑی میں سامنے کے ساتھ دینے کو پہنچا تھا۔  
تھی۔ وہ اپنی موتی تو مر جاتی مگر کسی بھی سیف مصطفیٰ  
کی آخر نہیں کرتی مگر اس کے ساتھ ساتھ تھی۔  
سیف مصطفیٰ اور ساتھ اس سے ایک سال سینئر تھے  
مگر ساتھ کی روم میٹ اور دوست ہو گئے کی وجہ سے وہ  
اس کے گروپ میں ہی زیادہ نظر آتی۔ دوسری بات کہ  
سیف مصطفیٰ اور سیل مزاری کی بلاری بدل دو سکتی تھی  
اور اکثر جب سیل چند دن کے لیے گاؤں چلا جاتا تو  
ساتھ ساتھ اس کی خیر قیمت سیف کے ذریعے ہی  
پہنچی تھی۔ سیل مزاری میں ہر وہ چیز تھی جو ضروری  
کی بہان ہوئی ہے۔ اس کے مقابل سیف مصطفیٰ  
جو عرصے مزاج کا ساہوکار تھا۔ جس میں جنوبی سندھ کی  
بلوچی جماعت تھی اور سیل مزاری میں شمالی سندھ کی  
کرمانش تھی۔ وہ حد درجہ بلوشیلہ اور جذباتی  
تھا۔

اس کا اندازہ اسے دو تین ملاقاتوں میں ہی ہو گیا تھا۔

ہاتھ ہیں۔ کسی نے ماننا یا بات کرنا معیوب نہیں سمجھا  
 چاہے نہیں کسی سے کام بھی ہو سکتا ہے مگر اس سے  
 ثابت ہوتا ہے۔  
 انہیں تو محبت کرنا ہی نہیں چاہیے تھی عیوذا  
 اکی بار کہ قیامی ہو نا تم۔  
 "وہ ایسا ہی ہوتا" مگر اب دل ماننا ہی نہیں کوئی  
 عیبت۔ "وہ افسردہ سی ہوئی۔  
 "تو ہی تو کہتی ہوں" محبت کے آگے ساری  
 مصطفیٰ امارتیں رکت کار ہو جاتے ہیں۔ یہ بڑا انوکھا  
 باب ہے۔ وہ آپ سے اپنا آپ بھی چھین لیتا ہے۔"  
 اور عیوذا عارف کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ ایک  
 پہلو ساٹھ، آدھا کہ فاش وہ بھی سامنے جنہیں کی طرح  
 محبت کے اس آنکھ کے جذبہ کو پوری آزادی سے  
 بھر رہے تھے۔ محسوس کر سکتی۔ صرف محبت کی  
 ہستی میں مست ہو جاتی۔ مگر دل پر عقل غالب آجاتی تو  
 اسے لگتا ہے اس نے کوئی جرم کیا ہو۔ اپنی روایات  
 سے محبت کی راہ اور اس کے علاوہ نرم ووالدین کو دھوکا  
 دینا وہ اپنی جگہ پروری بن گئی۔  
 دوسری طرف وہ ایک دن سیف مصطفیٰ کو نہ دیکھتی  
 تو بالائی بوالہالی سی لگتی۔ فون کر کے اس کی خیریت  
 دریافت کرتی اور پھر اس سے بات کر کے جب غصہ  
 کو جالی تو اپنی بے ٹوہی پر ٹوہی ہنس پڑتی۔ محبت واقعی  
 ہی ناراضی ہے۔ اتنی محبت کے باوجود وہ سیف مصطفیٰ  
 سے نہیں باہر ملنے کو تیار ہو سکی۔  
 بالآخر اس کا محل بھی سامنے جنہیں نے ڈھونڈا اور  
 شیروہ ظفر خان کی آنکھوں پر پیسوں کی ایسی پٹی باندھی  
 کہ چند دن کے وقفے سے شام کو سیف اس کے بچے  
 ہائے ذرا تنگ روم میں عیوذا کو دھکے مارا۔ وہ دونوں  
 یاہت "اوب" عالمی مسائل پر گفتگوں باتیں کرتے  
 بہت محسوس کرنے کی چیز ہے۔ سو اگ دو سرے کی  
 گفت ہی کافی تھی۔ خواہ کتنی کسی موضوع پر ہو اور  
 سب بھی وہ شاہ العلیف کی بات کرتے اگ دو سرے کو  
 بہت شعر سناتے ان کے پور پور سے محبت چھلکنے  
 تھی۔

”شاہ کا سارا رسلہ صاف محبت ہے۔“ وہ کہتی تو  
سیف مسکرا کر اسے دیکھتا۔  
”مجھے تو لگتا ہے تم بھی شاہ کو کوئی سوری ہو۔“  
”اچھا!“ وہ بے ساختہ ہنس دیتی۔ ”شاہ کی تو بہت  
ساری سورتیں ہیں میں کون سی والی ہوں۔“  
”تم ازلم شایاں نہیں جس نے تو لکھے پاور اپنا  
محبوب دے دیا تھا۔“ وہ اس کی آنکھوں میں بھاٹک  
”مگر سیف! تم یہ بھی تو دیکھو پھر اس نے ہنسیس کو  
مٹانے کو کیا کیا یقین کیے۔ مجھے یقین اس کا قصہ نہیں  
حیرت میں مبتلا کر دیتا ہے۔“ اس نے جواب دیا کہ  
میں کہتا۔  
”جب باپتے ٹاپتے لیاں اپنی جان محبوب سے  
قلموں میں پھیل کر دیتی ہے۔ اور پھر محبوب بھی اس  
کی یہ محبت دیکھ کر اپنی جان ہار دیتا ہے۔“ اس کی  
”ہاں تم بول رہے ہو۔“  
”ہاں مگر یہ ہی حقیقت ہے کہ عورت زور و جاہ پر  
اپنا محبوب بھی دے سکتی ہے۔ زورات اس کی کمزوری  
ہوتے ہیں نہ۔“ سیف اسے اسی سے ٹکالنے کی خاطر  
چھیڑتا۔  
”جی نہیں۔“ وہ چڑ کر کہتی۔ ”ماروی بھی تو شاہ کی  
سوری ہے نا جس نے اپنی پٹنی پرانی بھینٹ مار دیا اور کو  
کھواب زور و جاہ پر فوقیت دی اور عمر کو صاف بھول  
دے دیا کہ میں تیرے غلوں کو اپنے جھوپڑے پر قربان  
کر دوں گی۔“  
سیف کھٹکھٹا کر ہنس پڑتا۔ ”تم لیاں ہویا  
ماروی؟“ وہ شرارت سے کہتا۔  
”ماروی!“ وہ فخر سے کہتی۔  
”تو کتنا کس مجھے چھوڑ دے۔“ وہ جان بوجھ کر  
اسے چڑاتا۔  
”جی نہیں۔“ ماروی نے عمر اور اس کے محلات کو  
چھوڑا تھا اپنے منگیتر کو نہیں۔ ”وہ کہہ کر چھٹائی۔  
سیف کے بلند قدموں پر وہ کھسکی۔  
”تو کیا خیال ہے اٹھو بھی پسنے کے بارے میں۔“



میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ ایک عورت تھی۔  
 اس نے کہا: "میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ ایک عورت تھی۔"

عزت و احترام رکھ کر کہا تو خان نے ہر وقت اس کے ساتھ میں ہوا کرتا تھا۔ اس کے ساتھ اجنبی کے لئے ہر کام میں اس کی اور دوسرے سے جان بچا کر اسے نظر رکھتا تھا۔ وہ اس کی طرف سے ہر کام میں ایک اور سوچا ہوا انسان سے ہر کام میں ایک اور سوچا ہوا انسان سے ہر کام میں ایک اور سوچا ہوا انسان سے۔

انقرض الہ میں ٹھیک ہوں بہت حرج ہو گیا ہے۔  
 چالی گھنٹہ اس نے سیکہ دل سے ہرانی پلٹ میں۔  
 کوئی عین نہیں ہو گ۔ میں نے بات کر لی ہے۔  
 تمہارے ہر وقت کے ویسے ہی بندہ دن بھر تمہاری  
 دل اور ہاتھوں مرے سے آ رہے ہیں۔ چلو کراچی چلے  
 چن۔ وہاں تم ہمارے کی نیکی کے ساتھ رہو گے تو تمہارا  
 کی جان بچائے گا مگر میں تو ایسے ہی پڑے پور ہوتے  
 رہتا ہوں۔

"میں پکارا تھا۔ ہاں میں نہیں ٹھیک ہوں۔  
 میں دن لیں آئیں کی اسی دن میں سے رہیں گے۔  
 چال گھنٹہ اس کا دل اچانک کھلنے سے اجاٹ ہو  
 گیا۔  
 اس نے کہا: "میں نے کہا تھا۔"

میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ ایک عورت تھی۔  
 اس نے کہا: "میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ ایک عورت تھی۔"

میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ ایک عورت تھی۔  
 اس نے کہا: "میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ ایک عورت تھی۔"

میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ ایک عورت تھی۔  
 اس نے کہا: "میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ ایک عورت تھی۔"

میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ ایک عورت تھی۔  
 اس نے کہا: "میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ ایک عورت تھی۔"

میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ ایک عورت تھی۔  
 اس نے کہا: "میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ ایک عورت تھی۔"

میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ ایک عورت تھی۔  
 اس نے کہا: "میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ ایک عورت تھی۔"

میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ ایک عورت تھی۔  
 اس نے کہا: "میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ ایک عورت تھی۔"

میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ ایک عورت تھی۔  
 اس نے کہا: "میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ ایک عورت تھی۔"

میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ ایک عورت تھی۔  
 اس نے کہا: "میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ ایک عورت تھی۔"



میں ڈرنک روم میں جس کی کھڑکیاں جان بوجھ کر کھلی رکھی جاتی ہیں۔ وہ سچ ہوئی تو اس نے افسردگی سے اسے دیکھا۔

"دل کا کاروبار جاری ٹرگٹ لینے دینے سے انکاری۔ ہم شاپنگ کرنے گئے تو سیف بھی ساتھ ہو لیا اور کہا کہ کل عینہ کو میں اپنے پسند میں رنگا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں۔ مجھ سے تو غلطی ہوئی کہ انھا کر لے تکی۔ اب تم جانو اور سیف جانے۔ مجھے تو معاف ہی رکھو۔" اس نے کہتے ہوئے غصے میں کبل اوڑھ لیا۔ اور عینہ چاہتے ہوئے بھی کچھ نہ کہہ سکی۔ وہ بیٹھ سے ایسی ہی تھی۔ لہجے کی تخیروں سے ڈرنے والی۔

"دوسرے دن صائمہ صبح سے ہی تیاری میں لگی ہوئی تھی۔ زرد اور سرخ رنگ کے استراج والا سوٹ جس پر موتیوں کے ساتھ نفیس کڑھائی کی ہوئی تھی۔ اس نے استری کر کے انداری میں رکھا۔

"تم آج یونیورسٹی نہیں جاؤ گی؟" اس نے ناشتہ کرتے ہوئے استفسار کیا۔

"نہیں، کون جائے آج پور ہونے۔" وہ بے وجہ ہنسی۔

صبح کا اٹھا صائمہ نے۔ "خود بھی آبرور ہوئی تھی۔ سہیل سیف صائمہ اس سے روپ سے کوئی بھی نہیں کیا تھا۔ اس سے بے دلی۔ بڑی مشکل سے وقت گزارا تھا پھر شال کھانا کھایا اور سوئی۔

اس کی آنکھ کھلی تو صائمہ تیار ہو رہی تھی۔ اس نے وال کا اک کی طرف دیکھا تو شام کے کپڑے پہنے تھے۔ صائمہ کی تیاری آخری مراحل میں تھی۔

"چلو اٹھو تم بھی تیار ہو جاؤ۔ آخر کو تمہارا سیف بھی تم سے ملنے آئے گا۔ ویسے عینہ اتم ہو بہت مندے۔ ان کے دن تو اس سے کہیں باہر مل سکتیں۔"

اس نے چو لری پہن کر بیگ اس پر باندھ لیا۔

وہ کسل مندی سے لٹی اس سے دیکھتی رہی۔ اس نے جھٹ کر سینٹل پینا پلٹک اٹھا کر برس میں ڈالی۔

"عینہ! من سے ہم محبت کرتے ہیں ان پر احمق

نہ بنائی پڑتا ہے، ورنہ پتا ہے کیا ہوتا ہے" اس نے شرارت سے اسے دیکھا۔

اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا وہ ہنس کر اس کے بیز کی طرف آئی "محبت کمزور ہو جاتی ہے پھر! اب اٹھو بھی سیف بھی آنے ہی والا ہو گا۔"

اس نے کبل اس پر سے کھینچ کر اتارا۔

"ارے ارے اٹھتی ہوں، سرودی لگ رہی ہے۔" وہ چیختی۔

"ایک تو تمہاری سرودی ختم ہونے میں نہیں آتی۔" اس نے پورے گرجے اور گٹ اٹھایا۔

اس کے جانے کے بعد بھی وہ آنکھیں موندنے سستی سے لپٹی رہی۔

"عینہ! بدنی! آپ کا کوئی مہمان کیا ہے۔" ملازمہ جس کے ذہن ان سب کا کھانا اور پیغام رسی تھا اسے بلانے آئی تھی۔

"میں آرہی ہوں پانچ منٹ میں۔" وہ کبل پیچنگ کر جلدی سے واش روم میں گھس گئی۔ تویہ سے منہ پونچھتی وہ ڈرنک روم کبیل تک آئی، جگت میں بل ہار سادہ سے کان کے موٹ کی شلیں اپنے ہاتھوں سے درست کیں، اس کے پیچھے ہوئے گٹ اٹھا کر نیچے ڈرائنگ روم میں آگئی۔

صوفے پر بیٹھا سیف اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"تھینک یو۔" اس نے مسکرا کر پھول اور گلاب اس کے ہاتھ سے لے لیا وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے اب بنگے اس کے سادہ سے روپ کو خوش اور ناراضی کی ملی جلی کیفیت سے دیکھتا رہا۔

"ہینو نا تم کھڑے کیوں ہو۔"

وہ خاموشی سے بیٹھ گیا۔

"تمہیں دکھ ہو رہا ہے نا سیف۔ کہ میں نے تمہارا بیجا ہوا سوٹ نہیں پہنا۔" وہ کچھ بھی بولے بغیر لپکتے خاموشی سے اسے ٹکارتا رہا۔

"میں یہ سوٹ پہنوں گی مگر جاہز حشیت ہیں۔" اس نے تم لے جاؤ۔ جب اللہ کو لے کر آنا تب یہ سوٹ بھی

اس کے ہاتھ معنی کی انگوٹھی کے ساتھ بھینٹا۔ "اس نے کہتے ہوئے نظریں چرائیں۔

سیف کے نیچے ہوئے لیوں پر سبے ساختہ مگر بہت چل گئی۔

"کتنی خوب صورت بات کہی ہے تم نے۔" وہ مل کر بنا "مگر سچ پوچھو تو یہ گٹ نہ لیتا، تمہاری اس سوچ ہے۔ بالکل ہی دقیانوسی خیالات، جو اس دور میں نہیں چلتے۔"

"نہیں سیف۔ یہ بومس خیالات نہیں۔ تم غور کر کے دیکھو تو کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو ہمارے بس میں ہیں بومس۔"

"مثلاً؟" اس نے پوچھی سے پوچھا۔

"مثلاً 'محبت'۔"

"اچھا اور؟"

"اور کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو ہمارے بس میں آتی ہیں۔ تم سمجھو کہ یہ گٹ نہ لیتا ان ہی باتوں میں ہے۔"

"جو کیا میری خوشی مقدم نہیں ہے تمہارے لیے؟"

"تمہاری خوشی مقدم ہے تب ہی میں تم سے ملنے آتی ہوں ورنہ میں اتنی جلدی ملنے کی بھی قائل نہیں رہے تب تک ہمارے درمیان کوئی سماجی رشتہ نہ قائم ہو پائے۔"

"محبت سماجی رشتہ نہیں ہے؟"

"نہیں یہ تو فکری و روحانی رشتہ ہے جو بعض دفعہ لگاؤ و شوق کے تصادم میں آجاتا ہے۔" وہ چند لمحوں کے سکوت کے بعد گویا ہوئی۔

"محبت میرے لیے ملوثی چیز نہیں کہ اس کے لیے میں کوئی مالی یا مادی فائدہ و عوائد کی۔ ہم میں لگاؤ و عورتوں میں کچھ تو فرق رہے جو جن کا مشغلہ ہی ہو کر کی جیسے خالی کرانا ہے۔ ایسی عورتیں محبت پر مذاقی قابض ہوتی ہیں۔" وہ افسردگی سے کہنے لگی۔

"مگر محبت کن پر قابض ہوتی ہے؟"

"میرے جیسی عورتوں پر محبت قابض ہوتی ہے۔"

میرے جیسی عورتوں پر محبت قابض ہوتی ہے۔

جن کے لیے اہمیت ہوتی ہے تو صرف محبت کی۔ کوئی بھی مالی، مادی فائدہ، کوئی اہمیت نہیں رکھتا جن کے لیے۔" وہ ہلکے سے مسکرائی۔

"تمہاری یہ بات بھی پیاری ہے۔ بالکل تمہاری طرح۔"

اس دن وہ کمرے میں آئی تو اس کے دامن میں بہت خوش کن دھڑکے بندھے ہوئے تھے اور بہت خوب صورت لہجے جو اس کے دل میں بیٹھے مسکرا رہے تھے۔

ملازمہ اگر اسے کھانا دے گئی۔ اس نے چند نوالے لے کر ٹرے واپس کر دی ویسے بھی جس دن وہ بہت زیادہ خوش ہوتی اس دن کھانا اسے اچھا نہیں لگتا تھا۔ خوشی میں اس کی دھوک اڑ جاتی تھی۔

"الف دس بج گئے ابھی تک صائمہ نہیں آئی۔" وہ اگر بستر پر لیٹ گئی ریموٹ اٹھا کر مختلف چینل بدلتے ان ہی سوچوں میں اسے خند آگئی۔

نہ جانے کون سا وقت تھا۔ جب دروازہ زور سے بند ہونے پر اس کی آنکھ کھلی۔

"صائمہ! تم آگئیں؟" اس نے کبل منہ سے ہٹائے بغیر پوچھا۔

"ہاں! اسے لگا کہ اس کی آواز کتب رہی ہے۔" سرودی میں آئی ہے شاید اس لیے۔" وہ پھر سو گئی۔

\*\*\*

"سیف کی کوئی خبر لیں۔ کل اس کا دوست کیا نام ہے۔ بھئی ہاں وہ قرازا اس کا پوچھ رہا تھا کہ بہت دنوں سے بڑھنے نہیں آ رہا۔ وہ ٹھیک تو ہے؟ اب میں کیا کہتی اسے رہیں! کہ گھر سے تو روزانہ اسی ہانے لگتا ہے۔"

رہیں غلام مصطفیٰ نے سگریٹ الٹس ٹرے میں رکڑ کر بجھادیا۔

"کہاں ملا تھا تمہیں؟" انہوں نے ہاتھ سے چائے کا کپ لے کر استفسار کیا۔

"کل سینٹر ملا تھا۔ ایک دو بار پہلے گھر بھی آچکا



یہ سیف اور سیل کے ساتھ اسٹیڈی کرنے "وہ بینہ  
کی پانچویں کر رہا ہے۔  
"ہاں۔" والا کٹر عید القادر نے بھی مجھ سے شکایت کی  
ہے کہ سیف بہت دنوں سے کلج سے غیر حاضر ہے اور  
یہ کہ وہ کسی الجھن کا شکار ہے اور ہمیں اس کی الجھن کا  
تو لگانا چاہیے۔ میرے سامنے تو کھٹا نہیں تمہیں تو  
ہو سکتا ہے کہ جس کا نام ہے۔ ذرا سوچ کر تو دیکھو۔" وہ

سے ناقص ہوتا ہوں۔ ہجر بھی کالے پانیوں کا سفر ہے جس میں کم ہوتا جا رہا ہوں، ٹوٹتا جا رہا ہوں، کوئی آس کا جھکا بھی نہیں جس کے سہارے کھل سکوں، ہجر سکوں۔ یہ کیسی مسافت کی طور تم نے میرے پاؤں میں باندھی ہے کہ سفر ختم ہونے میں ہی نہیں آ رہا۔ کوئی منزل کا نشان نہیں، کوئی مسافت کا انتقام نہیں۔ صرف گرد، منہ ہے اور ہجر ہے جو مجھ پر جلا سے لیٹا۔ جدائی کا سانچا بنا ہے۔ "وہ آنکھوں میں آنے والی نمی کو یاد رہا صاف کر رہا تھا۔"

پہلی طرف بھی گئیں۔ وہ کیسے ملان سکتے ہیں کہ  
 ان کی وفات کی ایک لڑکی نے ان کے بیٹے سے سب  
 کچھ چھین لیا ہے۔ وہ کیسے پھرتی ہو کر سکتے ہیں۔ اگر  
 میں انہیں بتاؤں تو وہ تو ناراض ہو جائیں گے کہ میں  
 ایک ایسی لڑکی کے پیچھے پاگل ہو رہا ہوں جس نے اپنا  
 بلی انکچا بھی نہیں چھوڑا ہے۔ بس ایک بار میں اسے  
 دھو کر نکالوں پھر ہر طرح سے بلایا کو راضی کر لوں گا۔  
 اس نے زعرم ہو کر سوچا "مگر تم مجھے ملو تو عزیزو!"  
 اس نے بے بسی سے خود کلامی کی۔

وہ کہہ رہی تھی کہ صنمہ کافی دلوں سے کچھ پریشان  
نہیں رہی ہے مگر وہ اسے کچھ بتانے سے بھی گریزاں  
تھی۔ اس نے سوچا کہ وہ اس سے پریشانی کا سبب پوچھے  
مگر کئی بار وہ پوچھتے پوچھتے رک جاتی جب وہ مناسب

کے لیے کی تو خود ہی تباہ کی۔ یہ سوچ کر وہ خاموش ہو  
 رہا لی گرا بواہ اس کو کچھ دیا وہ بی ٹوٹ کر لے لگی۔  
 حالانکہ یہ بات بھی اس کی طبیعت کے خلاف تھی۔  
 سائنمہ بہت کم کلاسیں اٹینڈ کرتی۔ وہ اس پر غور کرتی۔  
 ”سائنمہ! خدا کے لیے ہم یہاں پڑھنے آئے ہیں  
 اور تمہاری اتنی چھٹیاں۔ بہت حرج ہو رہا ہے یہ مطالعہ  
 کا۔“

www.paksociety.com



”ہاں کہتی تھی۔“ اس نے ہماری سانس لی ”ایکٹھن  
 مہینے کے بعد کہا ہے کہ محدود ریافت کا بندہ سے غلط  
 اگر وہ صورت کو کھلی ریافت کر کے تو پھر نکلتا نہیں اور  
 جاتا ہے اس لیے کچھ دور ازلے اس پر ہمیشہ بند رکھنے  
 چاہئیں مگر کشش پر قرار ہے ”بھری جان، امن کے  
 اگر سارے ہی بھید کھل جائیں تو پھر من اپنی حیثیت  
 کھو دیتا ہے اور من بے حیثیت ہو جائے تو سکون کم ہو  
 جاتا ہے۔“ لے طاقتے طاقتے ہم اپنا آپ کھو دیتے

پھر وہ بڑی۔ اس نے بھی جی سانس لی وہ چپکے سے انھی توں

پھر وہی بڑی۔  
 "امتیاز" اپنی ذات کے گواہ بند کر لو عزیزو! اس  
 لیے کہ تم جیسا کہ یہی ایسی دشمن پر نہیں اترتا، یہاں  
 پہنچتے ہو اس کو نہ ہو۔ اس کی آنکھیں ہم ہو گئیں۔  
 اس دن وہ چف سے بھی پوچھ بیٹھی کہ اسمبلی نے  
 کیا کیوں کر کر دیا ہے۔

”نہیں۔“ وہ بھی لاعلم تھا۔  
”جو اجرات کیا ہے؟“ وہ کتنے ہی دن پریشان رہی۔

ساتھ کا وہی طرز عمل، ابھی سوڑا ہوا اس کے  
اتھ چلتی ورنہ پڑی رہتی منہ لیٹے ایک ہی کمرے میں  
۔ اب تو بہت دنوں سے اس کی طبیعت بھی گری  
ی رہنے لگی تھی وہ سڈیکل کی طالبہ تھی جو بات  
کی سمجھ میں آ رہی تھی وہ سمجھتا نہیں چاہ رہی  
تھی یہی بات سنا چاہتی تھی مگر اب اس کی  
احد سے سنا تھی۔

تو دلوں بعد اس نے دیکھا کہ وہ سہیل سے ملنے  
کی۔ وہ اس کا انتظار کرنے لگی۔ اس دن خلاف  
وہ بہت مل آئی۔ تے ہی بغیر پہنچ کیے بستر  
اٹھی۔ یہ واضح اشارہ تھا کہ کچھ سننے نہ کچھ بولنے  
ہوتے ہوئے بھی وہ اس سے کچھ نہ پوچھ سکی اور  
ملنے کے لیے لیٹ گئی۔

اور میں رات کا وقت ہو گا جب اس کی آنکھ  
 جوں کی تواریج کھلی۔ وہ سانس روکے اس کے  
 لئے گھسٹی رہی پھر اٹھ کر اس کے پاس آئی۔

اگر وہ سامنے سے شادی کر لے گا تو اسے چاہیہ او کرے۔  
 دے کر ماحائے گل۔

”نہیں۔ پہلے مجھے پتا نہیں تھا کہ وہ شادی شدہ  
 ہیں۔ بس اس کے گاہوں نہیں گیا اور گھر کی باتیں  
 ان کا دلچسپ نہیں۔“

”اس نے مجھے نو سارے دوست دیئے ہیں اب  
 ابھی میں تمہارے کہنے پر اسے سمجھاؤں گا کہ میں  
 تم کوں گا۔ تاکہ ساتھ اور وہ بیٹھ کر اس مسئلے کا حل  
 ”

نہیں کیا تھا اس امر تو پر مبالغہ نہ ہو سکتی تھی۔ اس پر مبالغہ بھی بہت متاثر ہوئی تھی۔ وہ خود بھی اب ہی گھبراہٹ جاتی دونوں سر جوڑے آلے والے سے تنقید کی حکمت عملی طے کرتی رہتیں۔

”وہ تخی سے مسکرا کر کہتی۔ ”جہاں اللہ لے جائے  
وہ اس کی مہم بات سمجھ کر نہ پاتی۔“

”میں مجبور ہوں۔“ سہیل نے جھجکتے ہوئے جھپٹا کر کہا۔

”ہم کسی ڈاکٹر کے پاس چلیں تو بھترے بھائے  
 لفضل باتوں میں وقت ضائع کر لے کے“  
 صائمہ نے اپنے وجود کو دلت کی گہرائیوں میں  
 ڈال دیا۔

”خبر سارا میں اٹھائیں گا۔ اس کی تم لوگ فکر نہ

عصماء نے نفرت سے اسے دیکھا۔ ”آخر مراد کالج کرنے میں کیا حرج ہے؟“

چلائی۔

روئے تھی۔

نامہ "وہ اس پر بھٹی۔"

کی۔ یہ کیسے سمجھ لیا تم نے ابھی صرف عورت  
و حکیم سے انتقام کب دیکھا ہے تم نے۔"

میں تمہیں پھانسی کے پتھر پر فکروں کی

عنبرہ منہ پر ہاتھ رکھے بے توازن رہے۔

دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔ وہ آنکھیں پھاڑے۔  
 کابو حشت زور زور سے کھینچ رہی تھی اور بے تحاشہ رو رہی تھی۔

اسی طرح کہ وہ کہتا ہے کہ تم لوگ؟ اور بے فکر

کوشش کرے اللہ ان کی چیخوں پر میٹم مہیہ

میں بھی اکی صی۔  
جیل پار بار خود کو چھڑاتا اور اس کو دھکے



جانی کی کہ مثل کرتا، لڑکھا کر منجانی اور وہ لڑکھاس  
 کو کچلے گا۔  
 ”مجھے زہر کا زکرا اب کہاں جانتے ہو۔“ عزیزہ  
 دونوں کو جیت سے اپنے بی سے دیکھ رہی تھی۔ جواب  
 چڑانے پکڑنے کی کوشش میں اک دوسرے کو مار  
 رہے تھے۔  
 سبیل بھاگ کر باہر گاڑی تک آیا۔ سامنے منجانی  
 اندر میں اس کے پیچھے بھاگی۔  
 ”مگر مجھے چھوڑ کر نہیں جاسکتے۔“ وہ گاڑی کے  
 سامنے آئی۔ عزیزہ اس کے پیچھے بھاگی باہر سبیل کی  
 دیکھ کر جیت و استجاب سے صورت حال کو دیکھنے کی  
 کوشش کر رہی تھی۔ اک دوسرے اس سے پوچھنے کی  
 بھی کوشش کی تھی مگر وہ تیزی سے باہر نکلی۔ گاڑی  
 آگے بڑھی تھی اور اس کے پیتوں کے پیچھے پکلا ہوا  
 وہ خون میں لٹ پٹ پڑا تڑپ رہا تھا۔ اس سے پہلے  
 سیف پہنچا تھا اس کی ناک اور منہ سے خون بہہ رہا  
 تھا۔ سیف نے پکڑ کر اس کی مدد سے اٹھا کر اسے اپنی  
 گاڑی کی کچلی سیٹ پر ڈالا۔ عزیزہ سیٹ پر اسے دونوں  
 ہاتھوں سے سنبھالے بیٹھ رہی تھی۔

”سیف! جلدی کرو۔“  
 سامنے کی سائیس اکھڑتی جا رہی تھی۔ پٹی پٹی  
 آنکلیں ایک سی جگہ جم رہی تھیں اور اس سے  
 عزیزہ عارف نے اپنا سارا اعتبار اعتماد ان آنکھوں میں  
 ہی نہیں کھو دیا۔

”رک جاؤ سیف!“ وہ چلا کر رونے لگی۔ ”اب  
 کسی اسپتال جانے کا کوئی قاعدہ نہیں۔“ آہستہ آہستہ  
 گاڑی واپس آگیا سبیل کے دروازے پر رکی سمیت اس  
 کی جان لے بیٹھی۔ کھائی اس کے ہنسنے مسکراتے وجود  
 کو۔

لان کے چچ اس کا بے جان و دور کھا تھا۔ لڑکیاں  
 بڑھال عزیزہ سے حالات جاننے کی کوشش میں لگی  
 تھیں۔ کچھ اس کا دکھ بھاری تھیں۔ تو کچھ بھاری  
 تھیں۔ ”انہیوں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے“ وہ اور زور  
 زور سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ کچھ ہی دیر میں

پولیس لاش اٹھوا کر چلی گئی۔  
 ”یہ خود کشی کا کیس ہے“ کوئی خود کشی تھی۔ کلائی  
 کے سامنے۔ ”کارروائی دیں مکمل ہو چکی تھی۔  
 اس کی حالت بہت سی خراب تھی۔ وہ ساری رات  
 اپنے کمرے میں ترقی رہی خود کو کوستی رہی۔ کہیں  
 سبیل کو بلوایا۔ وہ اس کے پیچھے بیٹھتی۔ اس کی ڈائریوں  
 کو اٹھاتی جن میں لکھا ہوا ہر فنڈ سیل کی محبت میں  
 اگے جا ہوا تھا۔ روتے روتے کون کا کلا چنر کیا تھا  
 ساری رات آنکھوں میں کٹی تھی۔ انک منانے کا نام  
 طاری تھا۔

راج اس نے اپنے گاؤں کے قریبی شہر اپنے کسی  
 رشتے دار کو فون کر کے کہا ”مگر پاپا بھائی آرا سے  
 جائیں“ فون کر کے وہ بیٹھی ہی تھی کہ سامنے کے سبیل  
 آگے اس سے حالات جاننے کے خواہاں۔ ان کے  
 چہرے غصے سے تھے ہوئے۔ آنکھیں اٹل اور سر دھکے  
 ہوئے تھے۔ وہ ان کو دیکھ کر بے ساختہ رونے لگی۔  
 ”سامنے اکثر رو کر کہتی تھی۔“

”عزیزہ! تمہیں کیا پتا کہ میں اپنے بھائیوں کا  
 مان تو ڈیوا۔“

اور پھر اس نے کچھ نہیں بھیا ”جو جانتی تھی۔“  
 انہیں بتا دیا۔ اسے سبیل سے کوئی ہمدردی نہیں تھی  
 نفرت کا شدید احساس تھا اور کچھ نہیں اس نے چند  
 خطوط اور اک ڈائری کے علاوہ سب کچھ ان کے  
 حوالے کر دیا۔ ”یہ ڈائریاں آپ کو ساری کہانی بتا دیں  
 گی۔“

”پولیس کامنہ تو پیسوں سے بند کر کے تحقیق سے  
 روک دیا پتا نہیں اب میڈم عیدہ ان سے کیسے لے  
 گی۔“

اس نے سوچا ”ان کے جانے کے بعد اس نے  
 بیکنگ کی اور سیف کا انتظار کرنے لگی۔ اسے یقین تھا  
 رات تک اسے بھائی لینے آہلے گلاب سبیل اک  
 پل بھی رہنا اس کے لیے محال ہو رہا تھا۔

اور جب سیف مصطفیٰ اس سے ملے کیا تو وہ رونا  
 کھول کر اس کے سامنے آ بیٹھی۔ اس کا خوف اس کے

چہرے سے نکل رہا تھا۔  
 اسے سخت دھچکا لگا ”عزیزہ عارف اس سے خوف  
 نہ تھا۔ کیا وہ مجھے بھی دنیا کے ان مردوں کے ساتھ  
 لڑا کرے گی جو مردوں کو نہیں چھوڑیں کو شکار کرتے  
 ہیں۔ اس کا شک یقین میں بدل گیا جب اس نے کہا۔  
 ”مگر بھی مردوں کے معاشرے کے ایک مرد ہو۔  
 تیار رہو اور میرے دوائے الگ ہو چکے ہیں۔“  
 وہ کچھ کر رہی تھی ”مگر سیف کی محبت اسے  
 روک نہ لے لے۔“ یقین تھا کہ وہ اسے سستی تو شاید پار  
 پائی تھی اس نے اس کی کوئی بات نہیں سنی اور رات  
 پہلے سے پہلے وہ سبیل چھوڑ کر گاؤں کی طرف روانہ  
 ہو چکی تھی۔

ایک سال گزر گیا۔ سیف کی توجہ دن بدن بڑھتی  
 سے آتی چلی گئی۔ وہ سارا سارا دن کہیں عاتب ہو جاتا  
 تھا اس کی غیر موجودگی میں کئی بار وہیں غلام مصطفیٰ  
 اس کے کمرے کی کھائی لے لے چکے تھے۔ مگر کوئی بھی  
 انہیں نہیں نہیں لی گئی۔ جس سے وہ کسی نیچے پر  
 بیٹھا سوچتے ہوئے سیف کے کمرے میں آئے۔

”آج اس سے سب کچھ انکو اٹول گا۔“ بیار غصہ  
 سب آنکھوں کا اس پر شاید کچھ بتا دے۔“

”مگر میں نہیں تھا ڈائری روم سے پائی کرنے کی  
 تیار تھی تھی۔ اس کے پیچھے پر والٹ پڑا تھا۔ انہوں  
 نے یہی بے ارادہ اٹھا کر کھولا تو اس جستی ہوئی لڑکی  
 کی تصویر پر نظر پڑی جو جیت سے دیکھنے لگی۔

”یہ تو وہی ہے! بالکل ہوں اپنی ماں کا عکس۔“  
 ایک غریب اسے پہچان گئے تھے۔

عجب بات تھی۔ وہ اچانک اسے اچھی لگنے لگی  
 کچھ ملائم وہ بچپن سے ان کے گھر میں رہتی تھی  
 مگر ان کی زیادہ بچی بھی نہیں تھی اس کے ساتھ  
 کرب و غم کی ویلہز وہ اسے اچھی لگنے لگی تو اس  
 نے کچھ سے یہ بات ماں کو بتادی۔ مگر وہ اس کی طرف

ماں نہیں تھی اس کی ماں کی ہوتی تو لیاں سب بچے  
 لئی ہوتی تھیں۔ تو اس کو پتا چلا اس کو کدو تو تھا  
 پھر اچانک اس پر انگڑیاں ہو آکر وہ اور ادا عارف  
 ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ پہلے پہل تو اسے غصہ  
 آیا مگر پھر اس نے خود کو سمجھا لیا۔

اک دن سبیل کا کئی سے کیا تو سارا دن اس کی محنت  
 عارف سے ملے کر چکا ہے وہ بچپن سے کیا لیکن اب اسے  
 کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں تھی۔ ”مگر کئی کے بعد ان کی  
 آپس کی بھلی چال رہم ہو دانی کے مطابق ہند تھی مگر  
 اب اس کا بھائی بھی اس سے بات نہیں کرتا تھا۔  
 دونوں بھائیوں کے چچ عجب بڑا سا لیا تھا۔

یہیں اس کے اچھان کے دنوں میں عارف جیسے  
 لے کر شکار پر چلا گیا۔ اسے بے تحاشا غصہ آیا۔ وہ  
 کھوٹے سے رہنے کر ملے اسٹیشن آیا اور پھر سب شہر  
 پہنچ کر کالج تک آیا تو پھر شہر کا ہر کھانا اس کے  
 کلاس پیچھے کو شش کے یاد ہوا اسے اچھان میں بیٹھے  
 نہیں دیا کیا تھا۔ کچھ وہ اچھان ختم ہونے تک شہر میں ہی  
 رہا۔ البتہ اسلامیات کے آسان پرستے میں اس کی  
 سہیلی لگ چکی تھی۔

پچھ ہی عرصے بعد اس نے باپ سے کہہ دیا کہ وہ  
 نوکری کرنا چاہتا ہے۔

”یہ نہیں کوئی سنبھالے گا؟“ اس کا باپ نے  
 حیرت سے کہا۔

”مجھ سے نہیں ہوتی یہ وہ ڈاڈو ڈی۔ او عارف دیکھ  
 لے گا زمینوں کو۔“

”رہیں! لڑکا نوکری کرنا چاہتا ہے تو کرنے دے“  
 چار دن کا شوق ہے ”مغفوری کرنا پڑے گی تو خود ہی  
 چھوڑ کر بھاگ آئے گا۔“

اس کی ماں کے کہنے پر اس کے باپ نے اپنے کسی  
 دوست سے کہہ کر اسے بینک میں ملازمت دلوا دی۔  
 وہ اس جاب کے سلسلے میں گاؤں سے باہر رہنے لگا تھا  
 جب اس کی شادی کی تیاریاں ہونے لگیں تو اسے  
 گاؤں بلوایا گیا۔

”ساری عمر لوگوں کو دینے میں گزری ہے۔ اب



لینے کی باری آئی ہے۔ اس کا بیابان نوش ہو رہا تھا۔  
 سوئی کی راتیں گزری ہیں تو زیادہ ہی بے بسی ہو جاتی  
 ہیں۔ اس نے ہرچیز اٹھا کر کھڑی ہیں یا کھڑے کھاتے رات  
 کے گیارہ بج رہے تھے۔ باہر چاندنی مٹی آس پاس نے  
 بارش نہیں لگے۔ وہ باہر دوسری طرف جاتے جاتے کہ  
 مریہ کسی کے ہاتھ میں کہنے کی آواز آ رہی تھی وہ وہ  
 ہیں تو ان کی سوت بھلا۔  
 "تم مجھے زہر لادو" میں گھبرا کر سر جھپٹا رہی اس سے  
 شادی نہیں کروں گی۔ میرا دل اسے قبول نہیں کرتا۔  
 "میں عانت! زہر کھاؤں گے تو دونوں کھائیں  
 گے پر میرے پاس ایک اور راستہ بھی ہے۔ ہم دونوں  
 پہلے سے گل چلیں۔ میرے پاس اتنا پیسہ ہے کہ  
 ہمیں کہیں بھی چل کر رہنے میں تکلیف نہیں  
 ہوگی۔"  
 "مر عارف! اگر ہم چکے گئے تو نہ اوہر کے وہیں  
 سے نہ اوہر کے اس سے میرے تم زہر ہی لادو۔"  
 "وہیں نہیں عانت! ہم جیپ میں جاؤں گے۔"  
 ہمیں پتا ہے کہ پورے گاؤں میں ایک ہمارے پاس  
 سواری ہے۔ یہ لوگ جب تک کھوٹوں پر شہر نہیں  
 گئے وہاں سے کوئی گاڑی لے لیں گے تب ہم ان کی  
 پیچھے سے دوڑ چلے جائیں گے۔ میرے چند دوست ہیں  
 جو ہمیں مدد دے سکتے ہیں۔ تو پریشان نہ ہو۔ ہم ایک  
 دو سرے کے کہانی ہی کہیں سکتے۔"  
 آگے سننے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔ وہ آکر  
 چارپائی پر لیٹ گیا۔ یہ کیا ہونے جا رہا تھا۔ ان کے  
 دونوں پہلے خاندان کے لیے باعث ذلت ہوتے۔  
 سواری رات اسے ختم نہیں آئی۔  
 دو سرے دن اس نے غم چلانے کے بہانے عارف  
 سے جیپ کی چابی لے لی تھی۔ شام کو جب وہ آیا تو  
 عارف نے اس سے چابی مانگی۔  
 "کیوں تم اس وقت کہیں جا رہے ہو؟" اس نے  
 ریشم سے پوچھا۔  
 "میں آج سویرے مجھے کھانا لینے جانا ہے۔ تم وہ  
 سے آتے ہو اس لیے ابھی ہے۔"

"مجھے قریبی گاؤں میں کچھ کام ہے میں رات کو  
 وہاں جاؤں گا۔ وہاں سے آؤں گا۔ تم صبح جب جاؤ تو مجھے  
 اٹھا کر چابی لے لینا۔"  
 وہ سنا بٹا کر جیپ لے آیا۔ گاؤں کے باہر اس نے  
 جیپ کھڑی کر دی اور خود اس سٹلے کا گل سوچنے لگا۔  
 "اگر میں لیا کو بتا دوں تو بھی ایسے صرف بھانٹے  
 سے روک سکتا ہوں۔ خود کھڑی ہے تو نہیں۔ کسی ذلت  
 ہوگی جب وہ لاشیں اسٹریٹس میں کی۔ لاکھ بھائی یا  
 کسی پر اس کی موت تو مجھے قبل نہیں اور عانت! وہ  
 کیوں سب کچھ مرے اور یہی ذلت ہوگی جب وہاں  
 نکلنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔" وہ سٹریٹ پر  
 منگھٹ چھوٹتا رہا۔  
 بالآخر وہ ایک تھکے پر پہنچ کر کچھ رات کو گھر لوٹ  
 آیا۔ عارف جاگ رہا تھا۔  
 "میں نے سوچا کہ صبح تمہاری خیمہ خراب کر دوں گا  
 اس لیے تم سے چارپائی لینے کے لیے جا رہا ہوں۔" عارف  
 ہنسی خستہ ہوئے بولا۔  
 اس نے چابی جیپ سے نکل کر اس کو تھمائی۔  
 "لو! اب دو راتیں تم نے سوچا ہیں مگر ہر بھی ذلت  
 ہے اور جو راستہ میں نے نکالا ہے اس پر بھی ذلت  
 ہے۔ جب تینوں راتوں پر ذلت کھڑی ہو تو تم  
 مندی کا تقاضا ہے کہ اس راستے پر چلا جائے جس پر  
 ذلت کم سے کم ہو۔ جب اس گاؤں میں گل کا سورج  
 ابھرے تو اس کی کرنیں تمہارے اوپر اس گاؤں میں ہی  
 پڑنی چاہئیں۔"  
 عارف خوف زدہ ہو کر رات دیکھا رہا کوئی جواب نہ  
 دے سکا۔  
 وہ سواری رات اپنے بستر پر بیٹھا مگر سوت چارپائی  
 کمرے کے دو سرے گونے پر رکھی چارپائی پر عارف  
 سونے کی ناکام اور ناکامی کر رہا تھا۔ اس کے کمرے سے  
 باہر کمرے میں اس کے باپ کی چارپائی پر وہ  
 تھیں۔ ان کے کمرے کے ساتھ جو کمرہ تھا اس میں  
 ناہید اور عانت سو رہی تھیں۔  
 وہ بار بار رات بھر اٹھتا اور کھڑی ہو جاتا۔ بلی جیسی فٹ

ابھی اس کے گھٹس کو نہیں لی تھی۔  
 مرنے والے آٹا میں دینی شروع کر دی تھیں۔ وہ کچھ  
 دیر لود جاتا رہا۔ اس کے باپ کی کھانے کی آواز آ رہی  
 تھی۔ "تجربہ کے لیے اچھے چکا تھا۔ اسے پتا تھا کہ اب  
 اس کے لیے اور اچھے کر کر مہ پانی سے لیا کو وضو کروائے  
 کی۔ وہ اب سو سکتا تھا۔ سو بے سوجھ بچہ کر سکتا تھا۔  
 وہ سوئے دن اس کے شادی سے انکار پر ٹیک کھرام  
 چھڑا تھا۔  
 "اس کو حیا شرم نہیں۔ جب تاریخ طے ہو گئی ہے  
 جب کہتا ہے کہ میں اس سے شادی نہیں کروں گا۔  
 جب تکلیف ہوگی کسی تب انکار کرتا۔ میری جیم جیجی  
 میں اس کے لیے پانہ دیتا ہی کیوں۔ اب لوگ کھوٹو  
 کریں گے۔ مجھ پر۔ میری بکری یا توں میں ڈالنے کی بات  
 کرنا ہے۔ تم سن لو غلام مصطفیٰ! تمہاری شادی ہوگی تو  
 لائی عانت سے ہوگی۔" اس کا بیابان کر جا۔  
 باپ کی اسی خندہ طبیعت کی وجہ سے تو اس نے  
 حقیقت نہیں بتائی تھی۔ وہ ہر صورت اس کی شادی  
 مانٹ سے گوائے گا۔ اس نے سوچتے ہوئے باپ کو  
 دیکھا۔  
 "میں شہری لڑکی سے شادی کروں گا۔ آپ عانت  
 کی شادی اور عارف سے کریں۔" اس نے سر اٹھا کر  
 کہا۔  
 "اس زیادہ فیصلہ نہ کر میں نے کہہ دیا کہ تمہاری  
 شادی طے ہے اور ہو کر رہے گی۔"  
 "میں بھی آپ کا بیٹا ہوں اب! جب طے کر چکا ہوں  
 کہ میں عانت سے شادی نہیں کروں گا تو پھر کسی قیمت  
 پر آپ کا فیصلہ نہیں مانوں گا۔"  
 "سن! اب اپنے بیٹے کی بات میرا فیصلہ نہیں تھا یہ تو  
 نے ہی بتایا تھا کہ یہ کہتا ہے عانت سے شادی کرے  
 گا۔"  
 "مجھے کیا پتہ! میں اس نے خود ہی تو مجھ سے کہا  
 تھا۔" وہ شہر کے آگے کانپ رہی تھی۔  
 "وہ چند سال پہلے کی بات تھی۔"  
 "کیا! کیا تھا ہے نامراد! چند سال پہلے کی بات  
 ہے؟"

تھی۔ یہ بول نہ شادی یاد کو نہ بول نہ سب۔ "وہ جب اللہ  
 سے شادی کی صورت میں کر لیا گا۔"  
 "میں نہیں کھرتے تھیں کہ وہ غلام مصطفیٰ  
 تھا۔" مجھے یہ فیصلہ منکوس ہے۔ اس نے کھنسی کھینچی  
 کہ۔  
 "جی! کھانچل رہا نہیں ہے۔"  
 کب ہوئے لی ہوئے چھریں کہیں جہان  
 لو ہے بھی انسان! کچھ ننگن! لہن نہار تھا  
 (ایک دن وہ سری زمین چھوڑتے نہیں جہان  
 ہمارو لوگ! وہ بھی انسان جو تک و ناموس پر ہمار  
 ہو جاتے ہیں۔)  
 اس کے باپ نے دکھ سے منہ دی۔  
 اس کا بی بی چاہا کہ وہ سب کچھ اسی وقت باپ کو بتا  
 دے کہ وہ عزت برقی تو سب کچھ قربان کرنے جا رہا ہے  
 مگر عارف کی التجائیہ نگاہیں اسے کچھ بھی بتانے سے  
 روک رہی تھیں۔ اسے یقین تھا کہ جب وہ گاؤں  
 چھوڑ دے گا تو عانت کی شادی عارف سے ہی ہوگی  
 اور ایسا ہی ہوا۔  
 اور اب اتنے سالوں بعد وہ کیسے جا کر اس پہلی کے  
 آگے دست سولہ دراز کرتا۔  
 "تم اس لڑکی کے لیے پریشان نہ ہو۔" سیف باہر  
 نکلا تو اس نے پوچھا سیف نے نظریں جھکا لیں۔ "میں  
 اسے جانتا ہوں۔"  
 اس نے سر اٹھا کر حیرت سے باپ کو دیکھا۔  
 "یہ رہیں عارف کی بیٹی ہے نا؟" اس نے تصویر  
 والا ہاتھ ہلا کر کہا۔  
 "جی! بیٹا! آپ کو پتا ہے اس کے گاؤں کا؟" ان کی  
 آنکھوں میں دہائی آگیا۔  
 اس نے بیٹے کو دیکھا اس کی آنکھوں کی نمی کو  
 دیکھا اس کا دل شفقت سے بھر گیا۔  
 "ہاں! یہ بیٹے چاہا کی بیٹی ہے۔"  
 "وہ کچھ ایک سال ہونے کو لیا پر یہ سنبھلی نہیں۔"



و واقعہ اس کے ذہن و دل پر چھایا گیا کہ کئی ذائقوں کو دکھانا پڑا تھا۔ لڑکی پر اس کو اتفاق نہیں ہوا۔ نہیں آئی جانی بھی نہیں۔ پر صحتی ریح میں چھوڑ دی۔ بات کریں تو جواب دیتی ہے ورنہ خود سے بات بھی نہیں کرے گی۔ دیکھو یہ ہے کتنی تھی میری بیٹی! اس پر لگ گئی ہے اسے۔

اب کبھی ہو کر اپنی رشتہ دار عورتوں کو بتا دیتی تھیں۔  
 "ہاں ہائی جانے! جو ان جہان لڑکی ہے سمد حرا کی۔  
 لوگوں کی آنکھ چڑھ گئی ہوگی۔ کوئی دعوہ کرواؤ۔"  
 "اے لڑکی! دعا میں بھی بڑی کروا میں۔ پر یہ تو سارا دن اپنے کمرے میں ہی بڑی رہتی ہے۔ ہاں کتابیں دھرتی سے بھائی کو ہام لکھ کر دے گی کہ یہ لے آؤ۔ اس کتاب لکھا ہے اسے اپنے حال پر چھوڑ دو۔ وقت گزرنے کے بعد عدت کی کیفیت سے نکل آ۔"

اسے سخت غصہ آ رہا تھا۔ لہاں ہر آنے والے کے آگے ہی دلخیزا لے بیٹھتی تھیں کہ اس کی بیٹی زندگی کے ہنگاموں میں حصہ نہیں لیتی اور وہ کیا بتائی ہاں کو کہ جن کی زندگی ہی محبت ہو اور وہ چمن جائے تو پھر زندگی کی ہے سو ہے۔

کتنی راتیں گزر گئیں۔ جو اس کا ہجر اور دھمے آنکھوں میں کھینچے۔ کتنے ہی فراق کے سوچے ابھرے اور جدائی کو مستقل کر گئے۔ وہ اک اک سانس کا حساب کرتی رہی جب اس کی یاد نہ آئی ہو۔ اک لکھ اک مل اک ساعت بھی ایسی نہیں گزری۔ جب اس کے خیال نے ساتھ چھوڑا ہو۔ وہ تو بیٹھ دل کی دھڑکن کے ساتھ دھڑکتا ہے۔ کتنا چاہتا تھا اس نے کہ وہ اس کی یاد سے دامن پھڑالے اس کے خیال کو روند لے لے پر وہ تو زندگی کی رمت بن کر اس کے دل کو دھڑکا رہا۔

اور عین عارف کی آنکھیں خشک ہونے کو ترس گئیں۔  
 اس کی فینٹریں اس سے دور تھیں رہیں اس سے پھرنے

رہے۔ سکون میسر نہ ہو سکا۔ وہ بے مراء لکھوں میں بیٹھی رہی۔ محبت کے لکھوں میں بیٹھ والوں کا ایک ہی المیہ ہو تا ہے کہ زندگی کے ترانوں میں ان کے دکھ مکمل خوشی و شادی کے پلڑے بیٹھ پڑا رہتے ہیں۔ محبت انہیں روحانی خوشی دیتی ہے تو قلبی درد بھی خوش نصیبی اور بد نصیبی ان کے پلو میں ساتھ ساتھ بندھی ہوئی ہے۔

سب اس سے پوچھ پوچھ کر تھک گئے۔ اس کی زبان نکلتی ہی رہی۔ وہ کیا بتائی اک مرد کے اندر سے فیصلے نے اس کے اعتبار کو کر پڑی کر پڑی اور اس نے خوف زدہ ہو کر تلکات میں اس سے پھرتے پھرتے کر لیا۔ مگر وہ تو اپنی الت سے ہی پھرتی تھی۔ اپنے آپ سے بھی روٹھ گئی۔ اس کی شانہ مگر وہ لوٹ کر نہیں آ۔ اور اس کی دھڑکن تو ہر آنے والے کے قدموں کی چھاپ سے بڑھ رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ جھولنے لگی۔

وہ اگر اپنی محبت میں واقعی سچا ہوتا تو ضرور لوٹ کر آتا۔ مگر یہ صرف مصطفیٰ اہم بھی لکھتا ہا ہر ہائی میں نے تمہیں چھوڑا تھا تو عورت کے انہی خوف سے ڈر کر اس خوف سے جو اس کے پیدا ہوتے ہی لوری کی صورت اسے سنایا جاتا ہے۔ دعاؤں کی صورت اسے بتایا جاتا ہے۔ اس کی آبرو کی حفاظت کی دعاؤں سے لہو پر رہے وقت چلتی رہتی ہے اور وہ دعا اس کے اندر یوں گڑ جاتی ہے کہ اسے خود سے بھی خوف زدہ کر دیتی ہے۔

اس کے باپ نے بہتر جا آ کہ وہ پر صحتی نہ چھوڑے۔ فیروز اسے روزانہ یاد دہاؤرشی لے جائے گا۔ مگر وہ کسی قیمت پر پر صحتی جاری رکھنے پر تیار نہ ہوئی۔ وہ کیسے اس کے ساتھ بڑھ سکتی تھی۔ اس کا اعتبار کر پڑی کر پڑی ہو گیا تھا۔ سب کو پتا تھا کہ سبیل شادی شدہ ہے وہ صائمہ سے طرٹ کر رہا ہے۔ تو وہ کم الا کم لگے تو چارنا پھر تو شاید صائمہ اس کی محبت میں اتنا آگے نہ بڑھتی۔ مگر اس نے جان بوجھ کر یہ بات چھپائی۔ وہ اس نے ایک مرد کو صورت کا شکار کرنے کی اجازت

دی۔ تو اس لیے اس پر اعتبار کر لیں اس نے ہوتے اٹھو کو خود اپنے پاؤں سے روندنا ہے۔ وہ جب بھی سوچتی پھرت پھرت کر رہتی تھی اس کا تکیہ بیٹھ اس کے آنسوؤں کی لوس سے ٹپکتا ہوتا۔

مگر وہ ہیل سے ڈھکا کیوں نہیں۔ لاکھ اسے جھٹاؤں۔ جیسے اس پر انداز نہ کروں۔ وہ میرے لہو میں دوڑتا ہے۔ بات بن کر۔  
 اس بار خاندان کی شادی میں جب پچھو ٹاپر کی بیٹی نے اس سے کہا "چلو لاؤں تو کھنے چلیں" تو اس نے اس مسکراہٹ سے کہا۔  
 "مجھے اپنا بڑا جوڑنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ مجھے چاہیے خاندان کے لڑکے بھی اس رسم پر جمع ہوتے ہیں۔ لڑکی پسند آئے تو صحت رشتہ بیچ دیتے ہیں۔" وہ اس کی باتوں پر تاراض ہو کر چلی گئی تھی۔  
 "اے ہائی جانے! کسی نے تیری بیٹی پر تعویذ تو نہیں کرے۔" پچھو ٹاپر کی انگلی منہ نے نیا شوش چھوڑا تھا۔

وہ خیالات کی دنیا سے واپس آئی۔ "مخن میں ہلکی ہلکی جھپ سکتے ہوئے برآمد سے میں دیکھا جہاں تخت پر بیٹھی اور رشتہ دار عورتیں اہل کوئی نئی بیٹیاں پر مصارفی تھیں۔

"محبت سے بھی بڑا کوئی تعویذ ہے بھلا۔" وہ دکھ سے مسکرائی۔  
 "ہاں لڑکی ہاں! کسی نے نکلا جاو تو نہیں کروا۔ اللہ مارے ان موئے بھیلوں اور بھوپوں کو۔" کلم کروا ہے انہوں نے۔ "دوسری عورت نے ہاں میں ہاں ملائی۔  
 "محبت کا اتنا بھیا تک روپ دیکھا میں نے کہ جس کے آگے نکلا جاو بھی کچھ نہیں۔" وہ تکی سے سوچنے لگی۔

"اے لڑکی! اس طرف تو میرا خیال ہی نہیں گیا۔ بھلا میری تو کسی کے ساتھ دشمنی نہیں ہے۔" وہ ایک دم پڑھان ہو گئی۔  
 "اے لڑکی! دشمنی کا کیا کہتی ہو! یہاں تو لوگ خواہ مخواہ ملے (بہتر خوشحال) کو سچے نہیں دیکھنا پسند نہیں

کر سکتے ہو گئے کوہ ہے نہیں۔"  
 "کب لہاں ان کی باتوں میں آئے ہیں مجھے کہیں کہیں کھینچی پھرتی تھی۔" یہ سوچ کر ہی اسے کوفت ہو رہی تھی۔ یہ مامیہ بھی کبھی مطلق نہیں ہوتی تھی۔

انہیں گاؤں میں آئے تھیں سال ہو چکے تھے۔ جب وہ آخری بار ماں کی وفات پر آئے تھے۔ خان محمد حلیہ راستوں سے واقف تھا۔ وہ ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ وہ اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھتے تھے۔ پچھلی سیٹ پر مریم اور عیض امید و نیم کی کیفیت میں گھبرے بیٹھے تھے۔ سائل کے نوٹے رابطے بحال ہوں گے یا نہیں؟ شکوک کتنی مارے لڑکے درمیان بیٹھے تھے۔ نکلیں اور مکالمہ بدل چکے تھے۔ گاؤں کی دعا پڑھتے اور اسکول بھی ان کو نظر آیا تھا۔

وہ گیٹ سے اندر داخل ہوئے، رنجش عارف نے حیرت سے غلام مصطفیٰ کو آتے دیکھا۔  
 "تم۔ تم غلام مصطفیٰ! وہ آگے بڑھے مورو بھی بڑھ کر ان کے گلے لگ گئے۔

"بھلا۔ بھلی کرے آئیں۔" وہ آبدیدہ ہو گئے۔ چھوٹے بھائی کے لیے دل میں سوئی ہوئی محبت جاگ اٹھی انہیں گلے لگائے ان کی پشت پر ہاتھ بھیر رہے تھے۔

دونوں بھائی اب عمر کے اس دور میں ماضی کی سب تکلیاں بھلا چکے تھے۔  
 "اے لڑکی! بیٹا ہے میرا۔ بیٹا۔"  
 رئیس عارف نے خوش دلی سے ہنسنے ہوئے اسے گلے لگایا۔

"تیرا بیٹا ہے تو میرا بھی بیٹا ہے۔"  
 "ہاں! یہاں ٹھیک بات کی آپ نے۔" وہ ہنسے۔  
 "آجاؤ۔ بھا جاتی۔ آجاؤ اندر آکر بیٹھو۔ ہم خوشی میں باہری کھڑے باہر کر رہے ہیں۔"  
 "اے لڑکی! جازے کی دھوپ بھی گرم نہیں لگتی۔"



